AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

منتخب مفسرین کے اصول ربط و نظم ایک تقابلی مطالعہ

Principles of Coherence and Arrangement in Selected Quranic Exegetes A Comparative Study

Dr. Aisha Shafqut
Assistant Professor, Gulab Devi Educational Complex, Lahore, Pakistan.
Email: musyyebahmad@gmail.com

Abstract

This article compares the principles of Quranic coherence discussed in the supplied thesis on Muhammad Husayn Nilawi and Ali Ahmad Sandilwi, while also considering the Farahi and Islahi approaches where the thesis introduces them. The study seeks to distinguish shared commitments to connected interpretation from differences in the identification of central themes, the arrangement of surahs, and the use of contextual evidence. Its method is descriptive, comparative, and analytical. The comparison is organised around the unit of interpretation, the central purpose of a surah, relationships between adjacent passages, larger thematic divisions, and the status of exegetical conclusions. Particular attention is paid to the distinction between the coherence of the Quran itself and the fallibility of a commentator's proposed account of that coherence. The findings indicate that agreement on Quranic unity does not entail agreement on every structural division or interpretive relationship. Similarly, variation among commentators does not by itself invalidate a particular reading; competing proposals must be assessed through linguistic evidence, contextual fit, explanatory scope, and compatibility with established sources. The source thesis contains observations that support comparison but also includes broad evaluative claims and inconsistent formulations that require qualification. Consequently, the article avoids treating reported claims of completeness or certainty as independently established findings. It proposes a balanced procedure that begins with the text, identifies the relevant question, tests alternative relationships, and states the degree of interpretive confidence. The study concludes that comparative attention to these approaches can strengthen Quranic understanding when methodological diversity is combined with evidential discipline.

Keywords: Coherence, Farahi, Islahi, Nilawi, Sandilwi, Exegesis, Context

تعارف موضوع

قرآن مجید کے ربط و نظم پر غور کرنے والے مفسرین اس امر پر متفق ہوسکتے ہیں کہ آیات اور سورتوں کا تعلق بامعنی ہے، لیکن اس تعلق کی صورت میں ان کا اتفاق ضروری نہیں۔ یہی فرق تقابلی تحقیق کی بنیاد بنتا ہے۔ زیر نظر مطالعہ محمد حسین نیلوی اور علی احمد سندیلوی کے اصول کو مرکز بناتا ہے اور فراہم کردہ مقالے میں جہاں فراہی و اصلاحی کے تصورات زیر بحث آتے ہیں، وہاں انہیں تقابلی پس منظر میں شامل کرتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد مختلف تفسیری آراء جمع کرنا ہی نہیں، بلکہ ان کے بنیادی مفروضات، متنی قرائن اور نتائج کے درجے کو جانچنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سورت کا مرکزی مضمون، آیات کا تسلسل اور سورتوں کی ترتیب متعین کرتے وقت کون سے اصول مشترک اور کون سے مختلف ہیں۔ تحقیق کی دستاویزی بنیاد متعلقہ تفسیری مواد کا مطالعہ ہے، خصوصاً اصول ربط و نظم کی تقابلی فصل۔ قرآن کی اصل مربوط حیثیت اور کسی مفسر کی دریافت

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کردہ توضیح میں فرق رکھا گیا ہے۔ اس لیے اجتہادی اختلاف کو متن کے عدم نظم کی دلیل نہیں سمجھا گیا، اور کسی ایک توضیح کو مستقل شہادت کے بغیر قطعی بھی قرار نہیں دیا گیا۔[1]

تقابل کا طریقہ اور علمی حدود

مطالعہ مقالے کے مطبوعہ صفحات ۲۰۱ تا ۲۳۰ پر مبنی ہے؛ پہلے ابواب اور منتخب نظائر سے بھی ضرورت کے مطابق استفادہ کیا گیا ہے۔ تقابل کے لیے یکساں سوالات اختیار کیے گئے ہیں: تفسیر کی اکائی کیا ہے، مرکزی مضمون کیسے پہچانا جاتا ہے، ربط کی دلیل کیا ہے، اور نتیجے کی قطعیت کس بنیاد پر بیان ہوتی ہے؟ فراہی اور اصلاحی کی اصل تصانیف کا مستقل جامع جائزہ یہاں نہیں کیا گیا۔ ان سے متعلق گفتگو فراہم کردہ مقالے کی نقل اور عام تقابلی سوالات تک محدود ہے؛ جن دعووں کی آزاد تصدیق نہیں ہوئی، انہیں قطعی نسبت نہیں دی گئی۔

۱۔ قرآن کے نظم اور نظم کی انسانی توضیح میں فرق

قرآن کی مربوط حیثیت اور اس کے نظم کی کسی مخصوص علمی تعبیر کو الگ رکھنا تقابل کی پہلی شرط ہے۔ قرآن کے بارے میں ایمان کا دعویٰ متن کی صداقت سے متعلق ہے، جبکہ ایک مفسر کی تقسیم یا مناسبت اس کے فہم اور استدلال کا نتیجہ ہے۔ دونوں کو یکساں قطعی حیثیت دینا تحقیق کا دائرہ محدود کر دیتا ہے۔[2]

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ﴾[3]

ترجمہ: کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟

یہ دعوت تدبر کی اہمیت واضح کرتی ہے؛ لیکن اس سے ہر مجوزہ ربط کا قطعی ہونا لازم نہیں آتا۔ تدبر میں دلیل، غور اور مراجعت شامل ہیں۔ مفسر کا کام ایسے تعلقات سامنے لانا ہے جو متن کو بہتر سمجھائیں۔

اگر دو اہل علم ایک سورت کا مرکزی مضمون مختلف بیان کریں تو پہلے ان کے قرائن دیکھے جائیں۔ اختلاف اس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تعبیر میں اجتہاد کا حصہ ہے، مگر وہ دونوں آراء کی یکساں صحت یا یکساں غلطی نہیں بتاتا۔ تقابل کو اسی علمی مقام سے شروع کرنا چاہیے۔

اس فرق کی ایک عملی علامت یہ ہے کہ قرآنی لفظ محفوظ رہتا ہے، مگر اس کی تنظیم کی انسانی توضیح بدل سکتی ہے۔ محقق کسی آیت کی جگہ تبدیل نہیں کرتا؛ وہ موجود ترتیب کی معنوی حکمت بیان کرتا ہے۔ اس بیان میں کامیابی یا خطا کا امکان اسی انسانی کام سے متعلق ہے۔ لہٰذا کسی توجیہ پر تنقید کو قرآن کی صداقت پر اعتراض سمجھنا بھی درست نہیں، اور نظم کی اہمیت کے نام پر ہر توجیہ کو ناقابل مراجعت قرار دینا بھی درست نہیں۔ یہ حد بندی علمی گفتگو کو ممکن بناتی ہے۔ اس کے بغیر تقابل یا تو محض تائید بن جاتا ہے یا غیر ضروری انکار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

---

[1] محمد حسین نیلوی، **تبیین القرآن** (کامل، چہار حصص) (پاکستان: اشاعۃ التوحید والسنۃ، بلا تاریخ)، ص ۳؛ علی احمد سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، مخطوطہ، مملوکہ شہزاد علی احمد سندیلوی، بلا تاریخ، ص ۱؛ حمید الدین فراہی، **تفسیر نظام القرآن**، ترجمہ امین احسن اصلاحی (اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، ۱۹۹۰ء)؛ امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** (دہلی: تاج کمپنی، ۱۹۷۹ء)، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

[2] **القرآن الکریم**، النساء: ۸۲؛ نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۳؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۱۔

[3] **القرآن الکریم**، النساء: ۸۲۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قرآن کے نظم اور اس کی انسانی توضیح میں فرق نہ رکھنے سے دو غیر متوازن نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مجوزہ مناسبت کو دینی قطعیت دے دی جائے؛ دوسرا یہ کہ بعض توجیہات کے اختلاف سے اصل قرآنی ربط ہی کا انکار کر دیا جائے۔ دونوں صورتیں متن اور فہم کے الگ مقام کو خلط کرتی ہیں۔ مفسر کی کوشش متن کی موجود ترتیب سمجھانے کے لیے ہے۔ اس کوشش کی صحت دلیل سے معلوم ہوگی۔ کسی مخصوص تعبیر کا قابل مراجعت ہونا قرآن کی صداقت کو قابل مراجعت بنانے کے برابر نہیں۔

تقابلی تحقیق میں اس فرق کا فائدہ یہ ہے کہ مختلف اہل علم کے نتائج سنجیدگی سے جانچے جاسکتے ہیں۔ اگر ایک مرکزی عنوان دوسرے سے مختلف ہو تو پہلے اس کی دلالت، وسعت اور قرائن دیکھے جائیں۔ ممکن ہے دونوں مختلف سطحوں کی توضیح کریں، یا ان میں واقعی ترجیح کا سوال ہو۔ فیصلہ پہلے سے قبول یا رد کرنے کے بجائے متعلقہ متن سے ہوگا۔ اسی روش سے نظم کے مطالعے میں علمی احترام اور دلیل کی آزادی ساتھ باقی رہتے ہیں۔ یہ اصول نیلوی، سندیلوی اور تقابلی پس منظر میں شامل دوسرے مفسرین سب کے لیے یکساں ہے۔

فراہم کردہ مقالے میں مختلف نظریات کے ذکر سے نظم کی اجتہادی توضیح کا سوال سامنے آتا ہے۔ موجودہ مطالعہ اس مواد کو ایک عمومی فیصلے کی بنیاد بنانے کے بجائے متنی جانچ کا آغاز سمجھتا ہے۔ کسی پورے مکتب کے بارے میں دعویٰ منسوب ہو تو اس کی اصل عبارت اور سیاق بھی سامنے ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر رد یا تائید محدود رہے گی۔ یہی احتیاط تقابل کو منصفانہ بناتی ہے۔ اس سے قاری سمجھتا ہے کہ قرآنی وحدت کی مشترک قبولیت کے باوجود نظم کی بعض تفصیلی صورتوں میں اختلاف کیوں ممکن ہے اور اس اختلاف کی تحقیق کیسے ہونی چاہیے۔

۲۔ مناسبت کے مختلف درجے اور اکائی تحقیق

ربط ایک لفظ کے دوسرے لفظ سے، ایک جملے کے دوسرے جملے سے، آیات کے مجموعے سے اور مکمل سورتوں سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ان سب سطحوں کے دلائل ایک جیسے نہیں۔ لفظی ربط میں نحو اور دلالت اہم ہیں؛ سورتوں کی مناسبت میں موضوع، مقصد اور افتتاح و اختتام کے تعلق کی اہمیت بڑھتی ہے۔[4]

فراہم کردہ مقالہ نیلوی اور سندیلوی کو آیات اور سورتوں کی مناسبت کے مختلف نمونوں سے متعارف کراتا ہے۔ فراہی و اصلاحی کے ذکر میں سورت کے مرکزی مقصد اور بڑے مجموعوں کی ترتیب کا پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل کا پہلا عملی مرحلہ اکائی کی شناخت ہے۔

ایک مفسر کے دو سورت وار روابط اور دوسرے کے بیس آیت وار روابط کو براہ راست عددی مقابلے میں رکھنا مناسب نہیں۔ پہلے دیکھا جائے کہ دونوں ایک ہی سوال کا جواب دے رہے ہیں یا مختلف سوالات کا۔ پھر دلیل اور توضیح کی قدر جانچی جائے۔ اس طریقے سے تقابل منصفانہ رہتا ہے اور اکائی کے فرق سے پیدا ہونے والی ظاہری برتری ختم ہوتی ہے۔

اکائی کی شناخت کے بعد نمونوں کا انتخاب دوسرا اہم مرحلہ ہے۔ چھوٹی سورت، طویل سورت اور قانونی یا قصصی مقام الگ علمی سوالات پیدا کرتے ہیں۔ اگر تقابل صرف آسان مثالوں تک محدود ہو تو منہج کی مشکل صورتیں سامنے نہیں آئیں گی۔ اس لیے متنوع مگر یکساں نمونے اختیار کیے جائیں۔ ہر مثال میں دونوں مفسرین کا متعلقہ بیان مکمل پڑھا جائے، صرف نتیجہ نقل نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ ایک ہی مقام میں مختلف سوالات اٹھاتے ہیں یا ایک ہی سوال کے مختلف جواب دیتے ہیں۔ یہی فرق بعد کی قدر پیمائی کے لیے ضروری ہے۔

---

[4] سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۲۴، ۲۸، ۶۴؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اکائی تحقیق کی تعیین صرف فنی اصطلاح نہیں؛ یہ نتیجے کی نوعیت بدل دیتی ہے۔ ایک آیت میں ضمیر کے مرجع کا سوال، دو آیات میں استدلالی تعلق، ایک سورت میں مرکزی مضمون اور کئی سورتوں میں موضوعی ترتیب الگ مسائل ہیں۔ ان کے لیے شواہد کی مقدار بھی مختلف ہو گی۔ اگر ایک مقامی قرینہ پورے قرآن کی تقسیم کے لیے استعمال ہو تو تعمیم کا سوال پیدا ہو گا۔ اسی طرح بہت وسیع عمومی مضمون ایک خاص ضمیر کا مرجع خود بخود متعین نہیں کرتا۔ اس لیے ہر تقابلی مثال کی سطح واضح کرنا بنیادی ضرورت ہے۔

نیلوی کے مسلسل ترجمے میں قریب کے تعلق کی توضیح اور سندیلوی کے متعدد سورت وار روابط کو ایک ہی عددی پیمانے پر رکھنا مناسب نہیں۔ مقالے کے بعض نمونے فاتحہ کے ساتھ دوسری سورتوں کی مناسبت دکھاتے ہیں، جبکہ بعض مسلسل سورتوں کا باہمی تعلق بیان کرتے ہیں۔ اس فرق سے واضح ہوتا ہے کہ ایک ہی اصطلاح ربط مختلف اکائیوں کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ تقابل میں پہلے یہ طے کیا جائے کہ دونوں ایک ہی سوال حل کر رہے ہیں یا الگ سوالات۔ اس کے بعد دلیل کی قوت کا فیصلہ زیادہ معتبر ہو گا۔[5]

اکائی متعین ہونے کے بعد نمونے کی مکمل عبارت محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ کسی مفسر کے نتیجے کا ایک مختصر جملہ اس کے پورے استدلال کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ آیت سے پہلے اور بعد کی توضیح، عنوان اور متعلقہ حاشیہ بھی اہم ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اصل تصانیف کی دستیابی تقابلی تحقیق کی قوت بڑھاتی ہے۔ فراہم کردہ مقالہ منتخب مواد پیش کرتا ہے، مگر اس سے آگے کی تحقیق میں مکمل مقامات کی مقابلت مطلوب ہو گی۔ یہ حد واضح رکھنے سے نتائج کی زبان بھی مناسب رہتی ہے اور قارئین کو تحقیق کے اگلے مرحلے کا علم ہوتا ہے۔

۳۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے مشترک سوالات

سورت کے مرکزی مضمون کا تعین نظم کی بحث میں بنیادی مقام رکھتا ہے۔ لیکن مرکزی مضمون محض وہ لفظ نہیں جس کی تکرار زیادہ ہو۔ افتتاح، اختتام، خطاب کے رخ، واقعات کی ترتیب اور احکام کے باہمی تعلق کو ساتھ دیکھنا پڑتا ہے۔ ایک جامع عنوان تب مفید ہے جب وہ مختلف مضامین کی مناسب توضیح کر سکے۔[6]

مقالے میں نیلوی کے لیے دعوی سورت، سندیلوی کے لیے موضوع سورت، اور فراہی و اصلاحی کے حوالے سے عمود کی بحث سامنے آتی ہے۔ یہ اصطلاحات مختلف علمی ترجیحات دکھاتی ہیں، مگر ہر تعبیر کے عملی استعمال کو الگ جانچنا لازم ہے۔ بعض اوقات مختلف الفاظ ایک ہی مرکزی مقصد کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔

مناسب جانچ یہ ہے کہ سورت کے ہر بڑے حصے کے لیے پوچھا جائے: یہ مرکزی مضمون کی دلیل ہے، مثال ہے، نتیجہ ہے یا مستقل متعلقہ ہدایت؟ اگر بار بار غیر ضروری تقدیر کرنی پڑے تو مرکزی عنوان پر دوبارہ غور ضروری ہو گا۔ اسی معیار کے ساتھ کسی عنوان کی وسعت اور توضیحی قوت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

مرکزی مضمون کی خوبی یہ نہیں کہ وہ بہت وسیع ہو کر ہر چیز کو اپنے اندر لے لے۔ ایسا عنوان توضیح کی بجائے عمومی شناخت بن سکتا ہے۔ دوسری طرف بہت تنگ عنوان سورت کے متعدد مضامین کو باہر چھوڑ دیتا ہے۔ مناسب عنوان ان دونوں حدوں کے درمیان ہوتا ہے: وہ مختلف اجزاء کا

---

[5] سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۲۴، ۲۸، ۶۴؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

[6] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۴۴۳؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۳۲؛ فراہی، **تفسیر نظام القرآن**۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تعلق واضح کرے اور ہر جز کی اپنی حیثیت بھی محفوظ رکھے۔ اسی لیے عمود، دعوی اور موضوع کی تعبیرات کو ان کی عملی قوت سے جانچنا چاہیے۔ اس سوال میں مفسر کا دعوی اور محقق کی جانچ الگ رہیں۔ وسیع علمی شخصیت کسی خاص عنوان کی مناسبت کا بدل نہیں بنتی۔

مرکزی مضمون کی تعیین میں افتتاحی آیات ایک اہم قرینہ ہو سکتی ہیں، مگر ہمیشہ تنہا کافی نہیں ہوتیں۔ اختتام، مکرر مضامین، خطاب کے رخ اور بڑے حصوں کے تعلق کو بھی دیکھا جائے۔ اگر ایک عنوان آغاز کی توضیح تو کرے لیکن سورت کے بعد کے اہم مباحث سے اس کی مناسبت کمزور ہو تو اس پر دوبارہ غور ضروری ہو گا۔ دوسری طرف کوئی بہت وسیع عنوان سب مضامین کو اپنے اندر رکھ لے تو اس سے مخصوص نظم واضح نہیں ہوتا۔ مناسب عنوان وہ ہے جو مختلف حصوں کے تعلق کی قابل جانچ توضیح دے۔

دعوی، موضوع اور عمود کی تعبیرات اسی سوال کے مختلف پہلو سامنے لا سکتی ہیں۔ ایک قضیہ دلیل اور نتیجے کی ترتیب دکھاتا ہے، ایک موضوع مشترک دائرہ پہچانتا ہے، اور مرکزی محور پوری سورت کی تشکیل سمجھانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ الفاظ عملی استعمال میں کبھی قریب اور کبھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ اس لیے تقابل کا فیصلہ لغوی تعریف سے آگے ہونا چاہیے۔ مفسر کی مکمل مثال دیکھ کر معلوم ہو گا کہ عنوان کے تحت ذیلی حصوں کا تعلق کس طرح بنایا گیا اور کس جگہ الگ توضیح کی ضرورت باقی ہے۔

مرکزی مضمون کی جانچ میں مخالف مثال بھی مفید ہے۔ سورت کا ایسا اہم حصہ منتخب کیا جائے جو مجوزہ عنوان کے تحت آسانی سے نہ آتا ہو۔ اگر مفسر اسے مناسب قرینے سے مربوط کرے تو عنوان کی قوت بڑھتی ہے۔ اگر اس کے لیے غیر ضروری تقدیر یا بہت دور کی مناسبت چاہیے تو عنوان کی حد واضح ہو گی۔ یہ طریقہ کسی خاص مکتب کے خلاف نہیں، ہر جامع توضیح کے لیے ضروری ہے۔ نیلوی اور سندیلوی کے مرکزی تصورات کی تحقیق بھی اسی معیار سے زیادہ دقیق اور منصفانہ بن سکتی ہے۔

۴۔ سیاق وسباق کا اصول اور اس کی حد

سیاق آیت کی دلالت سمجھنے کا اہم قرینہ ہے۔ ماقبل ومابعد کے الفاظ، مخاطب، سوال اور جواب کسی ممکن معنی کو واضح یا محدود کر سکتے ہیں۔ تاہم سیاق کو اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ لغوی دلالت یا معتبر دوسری شہادت نظر انداز ہو جائے۔ متن اور سیاق ایک دوسرے کی توضیح کرتے ہیں۔[7]

نیلوی کے ترجمے میں آیات کے تعلق کی توضیح سیاق کی عملی اہمیت سامنے لاتی ہے۔ سندیلوی کے روابط میں مشترک مضامین اور دوسرے مقامات کا ذکر بھی اس اصول کو وسیع سطح پر استعمال کرتا ہے۔ مقالے کے آخر میں سیاق کی پابندی کو دونوں کی مشترک خصوصیت قرار دیا گیا ہے۔

تحقیق میں سیاق کے استعمال کی قوت نمونے سے ثابت ہو گی۔ کسی معنی کو سیاقی کہنا کافی نہیں؛ وہ لفظ یا ترتیب دکھائی جائے جو اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ قریب کا سیاق، سورت کا مجموعی مقصد اور قرآن کا عمومی مضمون الگ درجے رکھتے ہیں۔ عام مضمون کی بنا پر قریب کے واضح قرینے کو چھوڑ دینا نظم کی بجائے پیشگی رائے کی پیروی بن سکتا ہے۔

سیاق کی قوت کا اندازہ مخالف احتمال پر غور سے بھی ہوتا ہے۔ اگر دوسرا معنی بھی لغت کے مطابق ہو تو دیکھا جائے کہ متعلقہ جملے، خطاب اور نتیجہ کس کی تائید زیادہ کرتے ہیں۔ اس طریقے سے ترجیح واضح ہوتی ہے۔ صرف منتخب معنی کے موافق الفاظ جمع کرنے سے تحقیق مکمل نہیں ہوتی۔ نظم کے مطالعے میں یہ احتیاط خاص طور پر ضروری ہے، کیونکہ ایک وسیع مرکزی تصور کے تحت بہت سے مقامات آسانی سے جمع کیے جا سکتے ہیں۔

---

[7] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۵، ۴۲، ۲۲؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اصل سوال ان کے درمیان خاص تعلق کا ہے۔ تقابلی تحقیق وہیں مفید بنتی ہے جہاں مختلف احتمالات کی دلیل سامنے آتی ہے اور انتخاب کی وجہ واضح ہوتی ہے۔

سیاق کی پابندی کا مطلب یہ نہیں کہ ایک مقام کو پورے قرآن سے الگ کر کے پڑھا جائے۔ قریب کا سیاق معنی کی تعیین میں اہم ہے، جبکہ دوسرے متعلق مقامات اس معنی کی توضیح یا تکمیل کر سکتے ہیں۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک عمومی تصور کے ذریعے قریب کے واضح قرینے کو نظر انداز کیا جائے۔ ایسی صورت میں نظم کی تعبیر متن کے تابع رہنے کے بجائے متن پر مسلط ہو سکتی ہے۔ اس لیے مختلف درجوں کے سیاق کی ترتیب اور ان کا باہمی تعلق واضح ہونا چاہیے۔

تقابلی تحقیق میں ایک ہی آیت کے لیے دونوں مفسرین کے استعمال کردہ قرائن الگ لکھے جا سکتے ہیں۔ ایک لفظی قرینہ دے، دوسرا سورت کے مقصد سے دلیل لائے، تو دونوں کی سطح مختلف ہو گی۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ یہ قرائن موافق ہیں یا کسی خاص معنی میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ محض یہ کہنا کہ دونوں سیاق کو اہمیت دیتے ہیں، ان کے عملی فرق کی پوری توضیح نہیں۔ اسی طرح ایک مثال میں دور کا ربط استعمال ہونے سے پورے منہج کو غیر سیاقی قرار دینا بھی زیادہ وسیع فیصلہ ہو گا۔

اس اصول کی عملی خوبی یہ ہے کہ ترجیح کی وجہ قاری کے سامنے آتی ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ مفسر نے ایک ممکن معنی کیوں قبول کیا اور دوسرے کو کیوں کمزور سمجھا۔ اگر قرینہ واضح نہ ہو تو نتیجے کا اجتہادی درجہ بتایا جائے۔ فراہم کردہ مقالے میں سیاق کی مشترک اہمیت کا ذکر اس تحقیق کی بنیاد دیتا ہے، مگر مقام وار ریکارڈ اس بنیاد کو زیادہ مضبوط بنا سکتا ہے۔ یہی طریقہ علمی تدریس میں بھی مفید ہے، جہاں طلبہ کو نتیجہ یاد کرانے کے ساتھ دلیل کی پہچان سکھانا ضروری ہے۔

۵۔ اجمال و تفصیل اور معنوی پیش رفت

اجمال کے بعد تفصیل ربط کی ایک معروف صورت ہے۔ مختصر اصول کے بعد اس کے مصادیق، احکام یا نتائج بیان ہوں تو کلام کی پیش رفت واضح ہوتی ہے۔ فاتحہ اور بقرہ کے درمیان دعا، ہدایت اور انسانی رویوں کا تعلق اس کی قابل توجہ مثال ہے۔ نیلوی کے نظائر میں یہ صورت نمایاں طور پر موجود ہے۔[8]

اس اصول کے استعمال میں دو احتیاطیں ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ دوسرے مقام کو پہلے کا صرف اعادہ نہ سمجھا جائے؛ اس میں نئی تفصیل اور الگ خطاب بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ ہر مشترک لفظ کو اجمال و تفصیل کا تعلق نہ بنا دیا جائے۔ اصل سوال یہ ہے کہ بعد کا مقام پہلی بات کو کس معنی میں کھولتا ہے۔

سندیلوی کی متعدد مناسبتیں اسی زاویے سے جانچی جا سکتی ہیں۔ اگر ایک ربط عمومی تعلق دکھاتا ہے اور دوسرا اس کی الگ تفصیل، تو دونوں کی علمی جگہ واضح ہو گی۔ اگر دو روابط صرف ایک ہی مفہوم کو نئے الفاظ میں کہتے ہوں تو انہیں مستقل اصول شمار کرنا ضروری نہیں۔ اس سے تقابل میں وضاحت اور اختصار دونوں پیدا ہوتے ہیں۔

اجمال و تفصیل کی شناخت میں ترتیب کا رخ بھی دیکھا جائے۔ کبھی پہلے عمومی حکم اور پھر اس کی مثال آتی ہے، کبھی واقعے کے بعد اس سے حاصل ہونے والا اصول بیان ہوتا ہے۔ دونوں صورتیں معنوی پیش رفت رکھتی ہیں، مگر ان کا استدلالی کردار مختلف ہے۔ مفسر اگر ہر صورت کو ایک ہی

---

[8] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص۵، ۸۰؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص۲۴، ۲۸۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

عنوان میں رکھ دے تو بعض باریکیاں اوجھل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے مثال، دلیل، نتیجہ اور عملی حکم کی پہچان اہم ہے۔ نیلوی اور سندیلوی کے تقابل میں ان عنوانات کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے کہ دونوں ایک ہی قرآنی ترتیب کو کن علمی پہلوؤں سے سمجھاتے ہیں اور کس مقام میں توضیح زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

اجمال و تفصیل کے تعلق کی تحقیق میں لفظ کی تکرار اور معنی کی توسیع الگ پہچانی جائیں۔ کبھی بعد کا مقام ایک ہی اصول کے مصادیق دیتا ہے، کبھی اس کی شرائط بیان کرتا ہے اور کبھی نئے مخاطب کے سامنے اسی اصول کی دوسری صورت پیش کرتا ہے۔ ان سب کو صرف تفصیل کہہ دینے سے استدلالی فرق کم واضح رہ سکتا ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ بتایا جائے کہ بعد کی عبارت نے پہلے بیان میں کون سی معلومات کا اضافہ کیا اور یہ اضافہ کس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

فاتحہ اور بقرہ کے ربط میں دعا کے بعد ہدایت اور انسانی رویوں کی تفصیل ایک اہم مثال ہے۔ لیکن اس مثال سے ہر مختصر سورت کو اگلی طویل سورت کی تمہید سمجھنا لازم نہیں آتا۔ اصول مثال کے مخصوص قرائن کے ساتھ اخذ ہو گا۔ نیلوی کی توجیہ اسی وجہ سے مفید ہے کہ ایک واضح معنوی سوال سامنے آتا ہے۔ سندیلوی کی متعدد مناسبتیں بھی اس زاویے سے جانچی جاسکتی ہیں کہ کون سا ربط نئی تفصیل دکھاتا ہے اور کون سا پہلے تعلق کا الگ بیان ہے۔[9]

اس اصول میں مرکزی عنوان اور مخصوص عمل کا فرق بھی ضروری ہے۔ کوئی عمومی اخلاقی اصل بعد میں مختلف احکام کے ساتھ آئے تو ان کی اپنی شرائط برقرار رہیں گی۔ موضوعی مناسبت قانونی یکسانیت کا ثبوت نہیں۔ اسی لیے نظم سے حاصل ہونے والی جامع سمجھ اور فقہی حکم کی تعیین الگ علمی کام ہیں۔ تقابلی مطالعہ اس فرق کو واضح کرے تو علم نظم مختلف علوم کے لیے معاون بنتا ہے۔ اگر یہ فرق ختم ہو جائے تو ایک مفید مناسبت سے زیادہ وسیع نتائج اخذ ہو سکتے ہیں، جن کی الگ دلیل درکار ہوتی ہے۔

۶۔ افتتاح اور اختتام کی مناسبت

سورت کے افتتاح اور اختتام، یا ایک سورت کے اختتام اور اگلی کے افتتاح میں مناسبت نظم کے لیے اہم قرینہ بن سکتی ہے۔ لیکن یہ تعلق ہر مقام پر ایک ہی نوعیت کا نہیں ہوتا۔ کہیں لفظی مماثلت، کہیں موضوعی تسلسل اور کہیں سوال و جواب کا تعلق زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔[10]

فراہم کردہ مقالے کے تقابلی بیان میں اس موضوع پر داخلی اختلاف موجود ہے۔ ایک جگہ دونوں مفسرین کے ہاں اختتام اور افتتاح کی مناسبت کا ذکر ہے، جبکہ اگلی بحث میں نیلوی کے بارے میں اس کی عمومی عدم موجودگی اور فاتحہ و بقرہ کی مثال بیان ہوتی ہے۔ ایسے مواد سے دونوں کے پورے منہج پر فوری حکم نہیں دیا جاسکتا۔

مناسب نتیجہ یہ ہے کہ متعلقہ مقامات الگ جمع کر کے جانچے جائیں۔ فاتحہ کی دعا اور بقرہ کی ہدایت کی مثال واضح معنوی مناسبت رکھتی ہے؛ انعام کے آخر اور اعراف کے آغاز میں وحی اور اتباع کی مناسبت بھی تحقیق طلب نمونہ ہے۔ ہر مثال میں الفاظ، موضوع اور تسلسل کی الگ نشان دہی اس داخلی اختلاف کو حل کرنے کی بنیاد بن سکتی ہے۔

---

[9] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص۵، ۸۰؛ **القرآن الکریم**، الفاتحہ:۶–۷؛ البقرہ:۲–۲۰۔

[10] سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص۳۳؛ **القرآن الکریم**، الانعام:۱۵۵؛ الاعراف:۲–۳۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

افتتاح واختتام کی مناسبت کو سورت کے اندر اور سورتوں کے درمیان الگ جانچنا بھی مفید ہے۔ پہلی صورت ایک ہی بڑی اکائی کی بندش واضح کرتی ہے، دوسری دو اکائیوں کے باہمی تعلق کی تلاش ہے۔ ایک مفسر پہلی صورت میں زیادہ توجہ دے اور دوسری میں کم، تو اسے مطلق عدم توجہ نہیں کہا جائے گا۔ مقالے کی داخلی ناہمواری حل کرنے کے لیے یہی تفریق مدد دے سکتی ہے۔ ہر مثال کے ساتھ بتایا جائے کہ ربط لفظی ہے یا معنوی اور متعلقہ عبارت کتنی قریب ہے۔ اس طرح ایک عمومی دعوے کی جگہ قابل جانچ نتائج سامنے آئیں گے۔

افتتاح و اختتام کی مناسبت کو جانچنے کے لیے صرف یکساں الفاظ نہیں، ان کا کردار بھی دیکھا جائے۔ ایک ہی لفظ آغاز میں سوال کی صورت اور اختتام میں جواب کی صورت آئے تو معنوی بندش پیدا ہو سکتی ہے۔ کبھی آغاز میں اصول اور آخر میں اس کا عملی مطالبہ ہوتا ہے۔ لفظی مماثلت نہ ہونے کے باوجود یہ تعلق واضح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک جیسے الفاظ مختلف مقاصد سے آئے ہوں تو صرف تکرار ربط کا کافی ثبوت نہیں۔ اس فرق سے اسلوبی اور موضوعی دونوں سطحیں زیادہ واضح ہوتی ہیں۔

فراہم کردہ مقالے کے مختلف بیانات میں افتتاح و اختتام کی مناسبت کے بارے میں یکساں عموم نہیں ملتا۔ اس صورت میں بہتر تحقیق عمومی فیصلے کے بجائے مثالوں کی فہرست اور الگ جانچ ہے۔ انعام اور اعراف میں وحی اور اتباع کا تعلق ایک مقام ہے؛ فاتحہ اور بقرہ میں دعا اور ہدایت دوسرا۔ دونوں کا طریق الگ ہے۔ ایک میں مشترک دینی مطالبہ سامنے آتا ہے، دوسرے میں طلب اور رہنمائی کی ترتیب۔ ان مثالوں کو الگ نوع کے قرائن سمجھنے سے مفسرین کے منہج کی زیادہ درست تصویر بن سکتی ہے۔[11]

یہاں ایک اور حد بھی اہم ہے: سورت کے اندر بندش اور سورتوں کے درمیان انتقال ایک ہی چیز نہیں۔ پہلی صورت ایک اکائی کی تکمیل دکھاتی ہے، دوسری دو اکائیوں کی مناسبت تلاش کرتی ہے۔ کوئی مفسر پہلی پر زیادہ اور دوسری پر کم توجہ دے سکتا ہے۔ اس فرق کو شناخت کیے بغیر پوری تصنیف کے بارے میں توجہ یا عدم توجہ کا دعویٰ کمزور ہو گا۔ تقابلی تحقیق کو ہر مثال کی سطح، قرینہ اور نتیجہ لکھنا چاہیے۔ اسی طرح داخلی اختلاف کی وضاحت بھی ممکن ہو گی اور علمی قدر پیمائی زیادہ معتبر رہے گی۔

۷۔ سورتوں کے نام اور ربط اسمی کی قدر

سورت کے نام سے اس کے بعض مضامین یا واقعات کی شناخت ہوتی ہے، مگر نام ہمیشہ پوری سورت کا مرکزی مقصد بیان نہیں کرتا۔ اس لیے دو سورتوں کے ناموں کی لغوی مناسبت ایک تائیدی قرینہ ہو سکتی ہے، فیصلہ کن دلیل نہیں۔ ربط اسمی کا استعمال متنی شہادت کے ساتھ ہونا چاہیے۔[12] نیلوی کے منتخب نظائر میں مائدہ اور انعام کے تعلق کی ایک توضیح ناموں کے مفہوم سے بھی قائم ہوتی ہے۔ مقالے کی تقابلی فصل ایک عمومی بیان میں دونوں مفسرین کے ہاں اس مناسبت کی عدم توجہ کا ذکر کرتی ہے، پھر نیلوی کی بعض مثالیں تسلیم کرتی ہے۔ یہاں عمومی نفی کی بجائے محدود استعمال کی تعبیر زیادہ محتاط ہے۔

تحقیق کے لیے سوال یہ ہے کہ نام کی مناسبت آیات کے اصل تعلق کو واضح کرتی ہے یا صرف یاد رکھنے کا آسان طریقہ بنتی ہے۔ دونوں فوائد الگ ہیں۔ کسی تدریسی اشارے کو ترتیب قرآن کی قطعی حکمت قرار دینا مناسب نہیں۔ مضبوط ربط وہ ہو گا جس میں نام کے ساتھ متعلقہ آیات، مشترک مسئلہ اور استدلال کی پیش رفت بھی واضح ہوں۔

---

[11] سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص۳۳؛ **القرآن الکریم**، الانعام:۱۵۵؛ الاعراف:۲-۳۔

[12] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص۲۳۶، ۲۷۰۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ربط اسمی کی تعلیمی افادیت الگ تسلیم کی جاسکتی ہے۔ بعض نام موضوع یاد رکھنے یا دو سورتوں کی شناخت میں مدد دیتے ہیں۔ مگر یادداشت کا سہارا اور استدلالی شہادت دو مختلف امور ہیں۔ نام کا استعمال اس وقت زیادہ مضبوط ہو گا جب متعلقہ واقعہ یا مضمون سورت کی بڑی تشکیل سے بھی جڑا ہو۔ اس لیے اس قسم کے ربط کو فوراً رد کرنے کے بجائے اس کا علمی درجہ واضح کیا جائے۔ یہی احتیاط دوسرے تائیدی قرائن میں بھی ضروری ہے۔ تقابل کا مقصد روابط کی فہرست بڑھانا نہیں، بلکہ ہر تعلق کی بنیاد اور حدود کو زیادہ صاف صورت میں پیش کرنا ہے۔

سورت کے نام کی مناسبت میں نام کی غرض پہچاننا بنیادی سوال ہے۔ بعض نام ایک نمایاں واقعے یا علامت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جبکہ سورت کے مضامین اس سے زیادہ وسیع ہوتے ہیں۔ اس لیے نام کی لغوی توضیح کو پوری سورت کا جامع مرکزی عنوان نہیں بنایا جاسکتا، جب تک متعلقہ متن اس کی تائید نہ کرے۔ نیلوی کے بعض ربط اسمی اس نوع کی علمی جانچ کا موقع دیتے ہیں۔ ان کی افادیت یادداشت، موضوع کی شناخت یا ایک محدود ذوقی اشارے میں ہو سکتی ہے؛ ہر افادیت کا درجہ الگ ہو گا۔

مائدہ اور انعام کے ناموں سے قائم کی گئی مناسبت کو متعلقہ آیات کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر نام کی توجیہ حلال و حرام اور دینی نسبت کے اصل مباحث کی طرف رہنمائی کرے تو وہ تائیدی معاون بن سکتی ہے۔ اگر نام ہی پوری دلیل کا بدل ہو تو ربط کی قوت محدود رہے گی۔ اسی لیے تقابل میں ربط اسمی کو واضح سیاقی مناسبت کے برابر نہیں رکھا گیا۔ ایک تعلق بنیادی شہادت سے قائم ہوتا ہے، دوسرا اس کی یادداشت یا تعبیر میں مدد دے سکتا ہے۔ اس فرق کی شناخت علمی تنقید کو زیادہ دقیق بناتی ہے۔

مقالے میں اس موضوع پر عمومی نفی اور مخصوص مثال کا ذکر دونوں موجود ہیں۔ یہ صورت بتاتی ہے کہ وسیع زبان سے احتراز ضروری ہے۔ کہنا چاہیے کہ دستیاب نمونوں میں ربط اسمی محدود مقدار میں ملتا ہے، نہ یہ کہ اسے بالکل استعمال نہیں کیا گیا۔ ایسی محتاط تعبیر معمولی لفظی فرق نہیں؛ اس سے نتیجے کی علمی صحت بہتر ہوتی ہے۔ مفسرین کے دوسرے اوصاف کی تحقیق میں بھی یہی اصول مفید ہے۔ مکمل مواد کی جانچ کے بغیر عمومی عدم موجودگی کا دعویٰ ہمیشہ زیادہ دلیل چاہتا ہے۔

۸۔ قرآن کے بڑے موضوعی مجموعے

قرآن کو بڑے معنوی حصوں میں پڑھنے سے مضامین کی مجموعی ترتیب سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ فراہم کردہ مقالہ نیلوی اور سندیلوی کے ہاں بعض حمد سے شروع ہونے والے حصوں اور توحیدی موضوعات کا ذکر کرتا ہے۔ فراہی و اصلاحی کے حوالے سے سورتوں کے مجموعوں کی دوسری ترتیبیں بھی بیان ہوئی ہیں۔[13]

ان تقسیموں کا تقابل تعداد سے زیادہ بنیاد کے اعتبار سے ہونا چاہیے۔ کسی تقسیم میں افتتاحی الفاظ اہم ہو سکتے ہیں، کسی میں مکی و مدنی ترتیب، اور کسی میں مرکزی مضمون کا تسلسل۔ مختلف بنیادیں مختلف نقشے پیدا کر سکتی ہیں۔ اس سے ہر نقشے کی یکساں صحت ثابت نہیں ہوتی، لیکن صرف عددی اختلاف سے سب کا بطلان بھی لازم نہیں۔

مقالے میں مجموعوں کی تعداد اور حدود کی نسبتوں کو اس مطالعے میں آزادانہ قطعی تصدیق حاصل نہیں؛ اس لیے اصل تصانیف کی تحقیق کے بغیر انہیں حتمی فہرست کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ علمی حاصل یہ ہے کہ بڑی تقسیم ایک توضیحی تجویز ہے۔ اس کی قوت ہر حصے کے اندر مضامین کی مناسبت اور حصوں کے باہمی تعلق سے جانچی جائے۔

---

[13] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۳؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۱؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴؛ ج ۹، ص ۶۴۵۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بڑے موضوعی حصوں کی جانچ میں داخلی استثنا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کسی حصے کا مرکزی عنوان ایک مضمون ہو تو دیکھا جائے کہ اس میں شامل مختلف سورتیں اس عنوان سے کس درجے میں متعلق ہیں۔ ایسے مقامات بھی زیر بحث آئیں جو آسانی سے اس عنوان کے تحت نہیں آتے۔ اگر تقسیم انہیں مناسب توضیح دے سکے تو اس کی قوت بڑھتی ہے۔ اگر بار بار ذیلی استثنا بنانا پڑے تو نئی ترتیب پر غور ہو سکتا ہے۔ یہ تحقیقی طریقہ کسی خاص مکتب کے خلاف نہیں، ہر بڑے نقشے کے لیے ضروری ہے۔ اس سے تقسیم کی افادیت اور اس کی اجتہادی حد دونوں واضح ہوتی ہیں۔

قرآن کے بڑے موضوعی مجموعوں کی تحقیق میں تقسیم کا مقصد پہلے معلوم ہونا چاہیے۔ ایک نقشہ مطالعے کی سہولت کے لیے ہو سکتا ہے، دوسرا سورتوں کی ساخت کے بارے میں مضبوط نظریاتی دعویٰ۔ دونوں کے لیے مطلوب دلیل ایک جیسی نہیں۔ تعلیمی تقسیم اپنی افادیت سے جانچی جاسکتی ہے، جبکہ حتمی ساخت کے دعوے کو وسیع متنی شہادت درکار ہوگی۔ اس فرق کے بغیر کسی مفید نقشے کو غیر ضروری قطعیت دی جاسکتی ہے یا ایک تعلیمی سہولت کو صرف نظری اختلاف کی وجہ سے رد کیا جاسکتا ہے۔

فراہم کردہ مقالہ مختلف مجموعوں اور ان کی حدود کا ذکر کرتا ہے۔ موجودہ مطالعہ ان نسبتوں کو اصل تصانیف کی مستقل تحقیق کے بغیر حتمی فہرست نہیں بناتا۔ یہاں اہم سوال یہ ہے کہ مجموعہ کن قرائن پر قائم ہوا: افتتاحی لفظ، مرکزی مقصد، خطاب، یا سورتوں کی باہمی مناسبت؟ اگر بنیادیں مختلف ہوں تو نقشے بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ اس اختلاف کے بعد ہر نقشے کی توضیحی قوت الگ جانچی جائے۔ صرف تعداد کا فرق اس قوت کی مکمل نمائندگی نہیں کرتا۔[14]

کسی بڑے مجموعے کی صحت جانچنے میں اس کے اندر اور اس کے باہر دونوں تعلقات دیکھنا مفید ہے۔ اندرونی سورتیں کس مشترک مقصد سے متعلق ہیں اور ایک مجموعے سے دوسرے کی طرف انتقال کیسے سمجھایا گیا ہے؟ اگر صرف داخلی مشابہت دکھائی گئی ہو تو پوری ترتیب کی توضیح ابھی باقی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک جامع عنوان کے تحت بعض سورتوں کی مناسبت کمزور ہو تو ان کا سوال الگ اٹھایا جائے۔ اس طریقے سے نظریہ اپنی قوت کے ساتھ اپنی حدود بھی دکھاتا ہے۔ یہی تقابلی تحقیق کا زیادہ معتبر اور نتیجہ خیز راستہ ہے۔

۹۔ توحید بطور مشترک بنیاد اور متنوع احکام

نیلوی اور سندیلوی کے ہاں توحید ایک مشترک مرکزی بنیاد ہے۔ فراہی و اصلاحی کے تقابلی ذکر میں بھی قرآن کی وحدت اور ہر سورت کے مقصد کی شناخت اہم ہوتی ہے۔ لیکن عمومی توحیدی بنیاد اور کسی خاص سورت کے مرکزی قضیے کو یکساں سمجھنا ضروری نہیں۔[15]

قرآن میں عبادت، عدل، حقوق، انفاق، آخرت اور تاریخی عبرت کے مضامین توحید سے متعلق ہیں، مگر ان کی مخصوص تفصیل اپنی علمی اہمیت رکھتی ہے۔ مربوط مطالعہ ان تعلقات کو واضح کرے، نہ کہ تمام فرق مٹا دے۔ کسی حقوقی حکم کا توحیدی پس منظر اس کی قانونی شرائط کا بدل نہیں بنتا۔

تقابل میں دیکھا جائے کہ ہر منہج مشترک بنیاد کے ساتھ مقامی تنوع کو کیسے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک مرکزی عنوان ہر مقام پر صرف دہرایا جائے تو توضیحی قوت کم ہو جاتی ہے۔ اگر اسی عنوان کے تحت دلیل، حکم اور اخلاقی نتیجے کی جداحیثیت سامنے آئے تو نظم کا فائدہ بڑھتا ہے۔ یہ معیار دونوں مرکزی مفسرین اور تقابلی پس منظر میں شامل دوسرے اہل علم کے لیے یکساں ہے۔

---

[14] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۳؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۱؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴؛ ج ۹، ص ۶۴۵۔

[15] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۴۲، ۲۲؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۱، ۳۲، ۵۰۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مشترک توحیدی بنیاد کے اندر تنوع کی حفاظت ایک عملی تدریسی ضرورت بھی ہے۔ طالب علم اگر ہر سورت کو صرف ایک عمومی عنوان سے یاد کرے تو مخصوص احکام اور اخلاقی مطالبات کم نمایاں ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس مرکزی بنیاد کے ساتھ الگ سوالات دکھائے جائیں تو فہم زیادہ مربوط رہتا ہے۔ مثال کے طور پر امانت، عہد اور انفاق کی ہدایات توحیدی بندگی سے متعلق ہیں، لیکن ان کی عملی صورتیں الگ ہیں۔ نظم ان کے تعلق کو سمجھانے کا ذریعہ بنے، ان کے فرق کو ختم کرنے کا نہیں۔ اسی اصول کے ساتھ مشترکات اور امتیازات کا تقابلی بیان زیادہ مفید ہوتا ہے۔

توحید کو مشترک بنیاد سمجھنے کے ساتھ اس کے عملی تقاضوں کی الگ پہچان ضروری ہے۔ بندگی کی تخصیص، حکم کی معتبر نسبت، انسانی حقوق اور جواب دہی کے مطالبات ایک دوسرے سے متعلق ہیں، لیکن ایک ہی نوع کی بحث نہیں۔ کسی مفسر کی توحیدی ترجیح تب زیادہ واضح ہوتی ہے جب وہ ان مختلف صورتوں کو مناسب جگہ دے۔ اگر صرف ایک عنوان کے تحت سب کچھ جمع ہو جائے تو موضوعی شناخت حاصل ہوتی ہے، تفصیلی نظم نہیں۔ اس لیے نیلوی اور سندیلوی کے منہج میں ان ذیلی تعلقات کی تحقیق اہم ہے۔

مرکزی مقصد اور مقامی حکم کے تعلق میں توازن بھی ضروری ہے۔ کسی اخلاقی یا قانونی آیت کا توحیدی پس منظر اس کے معنی کو وسیع دینی نظام سے جوڑتا ہے، مگر حکم کی شرائط ختم نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر امانت اور عدل کی ہدایات بندگی کی ذمہ داری سے متعلق ہیں، لیکن ان کی عملی صورت سمجھنے کے لیے متعلقہ خطاب بھی دیکھا جائے گا۔ نظم کا فائدہ ان سطحوں کو جمع کرنے میں ہے، کسی ایک کو دوسرے کا بدل بنانے میں نہیں۔ یہی اصول تقابلی تدریس کو بھی زیادہ مفید بناتا ہے۔

فراہی و اصلاحی کے حوالے سے مرکزی مضمون کی بحث کو شامل کرتے وقت بھی یہی احتیاط چاہیے۔ فراہم کردہ مقالے کی چند عمومی تعبیرات سے ان کی پوری علمی روایت کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اصل تصانیف میں مختلف مقامات کا تفصیلی استعمال سامنے آئے تو زیادہ مضبوط تقابل ممکن ہو گا۔ اس مضمون میں ان کا ذکر تقابلی پس منظر کی حد میں ہے۔ نیلوی اور سندیلوی بنیادی مرکز رہتے ہیں، جبکہ دوسرے مناہج کے سوالات ان کے اصول کی جانچ کو گہرا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس حد بندی سے موضوع کی یکجائی بھی قائم رہتی ہے۔

۱۰۔ روایت لغت اور اجتہاد کا باہمی مقام

ربط و نظم کی دریافت میں عربی زبان، قرآنی سیاق، معتبر روایت اور علمی تدبر الگ الگ مگر متعلق ذرائع ہیں۔ کسی ایک ذریعہ کا ذکر اس وقت مفید ہے جب واضح ہو کہ وہ زیر بحث توجیہ میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ روایت تاریخی پس منظر بتا سکتی ہے، لغت مفہوم کی حد واضح کر سکتی ہے اور سیاق ترجیح کا قرینہ دے سکتا ہے۔[16]

مقالے میں مفسرین کے بارے میں مختلف عمومی نسبتیں موجود ہیں۔ ان سے ہر مقام کی یکساں روش ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً کسی مفسر کو روایت سے بے نیاز یا صرف ذوق پر قائم قرار دینا اصل متنی نمونوں کے بغیر مناسب نہیں۔ علمی شخصیت کے عمومی وصف اور عملی استدلال کو الگ رکھا جائے۔

موزوں طریقہ یہ ہے کہ ہر ربط میں استعمال ہونے والے شواہد لکھے جائیں۔ جو توجیہ واضح آیت یا ثابت روایت کے خلاف ہو، اسے دوبارہ جانچا جائے۔ جہاں متعدد محتمل معانی باقی ہوں، وہاں نتیجے کا اجتہادی درجہ بتایا جائے۔ اس طرح نظم تحقیق کا معاون بنتا ہے اور دوسرے معتبر ذرائع کی جگہ لینے کا غیر ثابت دعویٰ نہیں کرتا۔

---

[16] فراہی، **تفسیر نظام القرآن**؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

روایت کے استعمال میں صحت نقل اور صحت استدلال الگ مرحلے ہیں۔ کوئی روایت درست منقول ہو تب بھی یہ دیکھنا ہو گا کہ وہ مجوزہ ربط کی دلیل کیسے بنتی ہے۔ اسی طرح لغوی معنی ممکن ہو تب بھی خاص مقام میں اس کی ترجیح الگ دلیل چاہتی ہے۔ ان دونوں مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مواد کی دستیابی اور اس کے مناسب استعمال میں فرق ہے۔ مفسرین کے تقابل میں شواہد کی صرف کثرت شمار نہ کی جائے؛ ان کا متعلق ہونا بھی جانچا جائے۔ اس طریقے سے تحقیق دلیل کے وزن پر قائم رہتی ہے اور ایک ہی عمومی وصف کی بنیاد پر پورے کام کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتی۔

لغت، روایت اور سیاق کے باہمی مقام کو ایک ترتیب میں سمجھنا مفید ہے، مگر ہر مسئلے میں ایک ہی سادہ ترتیب کافی نہیں ہوتی۔ کبھی تاریخی پس منظر خطاب سمجھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، کبھی لفظی دلالت کئی احتمالات کی حد متعین کرتی ہے، اور کبھی قریب کا سیاق ترجیح دیتا ہے۔ مفسر ان سب سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تقابلی تحقیق کا کام یہ دکھانا ہے کہ متعلقہ مقام میں کس دلیل نے کیا کردار ادا کیا۔ صرف ذرائع کی فہرست سے منہج کی عملی تصویر مکمل نہیں ہوتی۔

روایت کے استعمال میں صحت اور مناسبت دونوں الگ سوال ہیں۔ ایک صحیح روایت کا ہر مفہوم ہر مقام کے ربط کی دلیل نہیں بنے گا؛ پہلے اس کا متعلق ہونا واضح کیا جائے۔ اسی طرح ایک لغوی معنی ممکن ہونے سے خاص آیت میں اس کی ترجیح خود بخود ثابت نہیں ہوتی۔ ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شواہد کی مقدار کے ساتھ ان کا وزن اور تعلق بھی اہم ہے۔ نیلوی اور سندیلوی کے بارے میں عمومی علمی اوصاف کو اسی عملی استدلال کے ساتھ ملانا چاہیے، تاکہ تقابل غیر ضروری تحسین یا عمومی تنقید سے بچ سکے۔

اجتہاد کی حد بھی اسی مشترک علمی عمل میں متعین ہوتی ہے۔ اگر تمام قرائن ایک معنی کی مضبوط تائید کریں تو نتیجے کا درجہ زیادہ ہو گا۔ اگر متعدد معتبر احتمالات باقی رہیں تو ترجیح کی زبان محتاط ہو گی۔ نظم کی ایک جامع تجویز اس احتیاط کو ختم نہیں کرتی۔ موجودہ مطالعہ اسی وجہ سے ربط کی مختلف صورتوں کو قوی، محتمل اور مزید دلیل کے محتاج درجات میں دیکھنے کی سفارش کرتا ہے۔ یہ درجہ بندی مفسر کی خدمت کا انکار نہیں، اس کی علمی شناخت اور بہتر استعمال کا ذریعہ ہے۔

۱۱۔ متعارض عمومی بیانات کی مثالوں سے جانچ

تقابلی تحقیق میں اصل ماخذ کے اندر موجود مختلف بیانات کو جمع کرنا بھی ایک علمی ذمہ داری ہے۔ زیر مطالعہ مقالے کے ایک مقام پر دونوں مفسرین کے ہاں سورت کے اختتام اور اگلی سورت کے افتتاح سے تعلق قائم کرنے کا عمومی بیان ملتا ہے، جبکہ اگلے مقام پر نیلوی کے متعلق اس طریقے کے محدود استعمال کا تاثر سامنے آتا ہے۔ اس صورتحال میں فوری طور پر کسی ایک بیان کو چھوڑ دینا یا دونوں کو بلا توضیح دہرا دینا مناسب نہیں۔ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ عمومی بیان ایک رجحان بیان کرتا ہے یا مستقل قاعدہ، اور محدود استعمال کا بیان پوری تفسیر کا احاطہ کرتا ہے یا منتخب مثالوں کا۔ جب ان سوالات کے جواب مکمل طور پر دستیاب نہ ہوں تو نتیجے میں اس محدودیت کو صاف طور پر درج کرنا چاہیے۔[17]

اس مسئلے کا حل مثال کی سطح پر جانچ سے شروع ہوتا ہے۔ انعام اور اعراف کے متعلق مقامات میں کتاب اور اتباع کے مضامین واضح ہیں، اس لیے وہاں مقامی اتصال کی توضیح ممکن ہے۔ لیکن ایک مثال سے نیلوی کے پورے منہج کو افتتاح و اختتام کا مستقل پابند قرار دینا بھی درست نہیں، اور ایک عمومی جملے سے اس مثال کو غیر متعلق کہنا بھی درست نہیں۔ بہتر تعبیر یہ ہے کہ منتخب مقامات پر یہ طریقہ قابل شناخت ہے، جبکہ اس کے

[17] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۲۳۶، ۲۷۰؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۳۳۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

عمومی پھیلاؤ کی تعیین کے لیے مزید اصل تفسیری مواد درکار ہے۔ یہ تعبیر دستیاب شہادت کو قبول کرتی ہے اور اس سے زیادہ دعوی کرنے سے بچاتی ہے۔[18]

اسی نوع کا سوال سورتوں کے ناموں سے قائم ہونے والے ربط میں پیدا ہوتا ہے۔ اصل مقالے کے عمومی تقابل میں ناموں کے ذریعے مناسبت کے محدود استعمال کا بیان ہے، جبکہ بعض مخصوص مثالوں میں ربط اسمی کی صریح شناخت ملتی ہے۔ دونوں کو جمع کرنے کی ایک ممکن صورت یہ ہے کہ اسمی ربط کو غالب یا مستقل طریقہ نہیں سمجھا گیا، مگر جزوی طور پر اسے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ایک توضیحی امکان ہے، قطعی حل نہیں۔ اسے قبول کرنے کے لیے مخصوص مثالوں کی تعداد، نوعیت اور مفسر کی اپنی اصطلاح دیکھنا ہو گی۔ اس سے تحقیق میں عمومی بیان اور جزوی شہادت کے الگ درجے سامنے آتے ہیں۔

ایسی جانچ سے ماخذ کی قدر کم نہیں ہوتی۔ ایک طویل مقالہ متعدد متون، خلاصوں اور تقابلی نتائج کو جمع کرتا ہے؛ مختلف سطحوں کی زبان میں ابہام پیدا ہو سکتا ہے۔ بعد کا محقق اس ابہام کی شناخت کر کے اصل تحقیق سے زیادہ واضح سوال اخذ کر سکتا ہے۔ البتہ اس مقصد کے لیے ماخذ کی عبارت، صفحہ اور دعوے کی حدود محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک خلاصے کو مفسر کا براہ راست قول بنا دیا جائے، یا ایک جزوی مثال کو پورے منہج کا نمائندہ قرار دے دیا جائے، تو ماخذ کی اصلاح کے بجائے ایک نئی غلطی پیدا ہو گی۔

اس مضمون میں متعارض تاثر پیدا کرنے والے بیانات کو اسی احتیاط کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جہاں مخصوص مثال دستیاب ہے وہاں اس کی محدود توضیح کی گئی ہے؛ جہاں جامع فہرست یا اصل عبارت دستیاب نہیں وہاں عمومی فیصلہ موخر رکھا گیا ہے۔ یہ طریقہ منتخب مفسرین کے باہمی تقابل میں بھی یکساں ہونا چاہیے۔ کسی موافق مفسر کی جزوی شہادت کو وسیع دعوے کے لیے کافی ماننا اور دوسرے کی مثال کو محض استثنا کہہ کر رد کرنا منصفانہ تحقیق نہیں ہے۔ یکساں معیار ہی تقابل کو شخصی ترجیح سے اوپر اٹھاتا ہے۔

۱۲۔ موضوعی اختتام اور مصحف کے حقیقی اختتام کا فرق

بڑے موضوعی مجموعوں کے تقابل میں مصحف کی موجودہ ترتیب اور مفسر کی موضوعاتی تعبیر کو الگ رکھنا بنیادی ضرورت ہے۔ زیر مطالعہ مقالے میں نیلوی کی چار حصوں والی تقسیم کا آخری حصہ سبا سے ناس تک بتایا گیا ہے۔ اسی بحث کے قریب قرآن کے اختتام سے متعلق اخلاص کا ذکر بھی سامنے آتا ہے۔ مصحف کی ترتیب میں اخلاص کے بعد فلق اور ناس موجود ہیں؛ اس لیے اخلاص کو لفظی معنی میں قرآن کی آخری سورت کہنا درست نہیں ہو گا۔ اگر اس تعبیر کا مقصد توحید کے خلاصے کی طرف اشارہ ہے تو اسے موضوعی یا استدلالی اختتام کہا جا سکتا ہے، مگر ترتیب مصحف کے بیان سے الگ وضاحت ضروری ہو گی۔[19]

اس فرق کی اہمیت صرف ایک نام کی تصحیح تک محدود نہیں۔ کسی موضوع کو کسی مقام پر جامع انداز میں بیان ہونا اور کتاب کا اسی مقام پر ختم ہونا دو مختلف دعوے ہیں۔ پہلا دعوی متعلقہ سورت کے مضمون کی تفسیر چاہتا ہے، دوسرا مصحف کی ترتیب سے براہ راست ثابت یا رد ہوتا ہے۔ دونوں کو

---

[18] **القرآن الکریم**، الانعام، ۶:۱۵۵؛ الاعراف، ۲:۷–۳۔

[19] **القرآن الکریم**، الاخلاص: ۱–۴؛ الفلق: ۱–۵؛ الناس: ۱–۶۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ملا دینے سے موضوعاتی استدلال بظاہر تاریخی حقیقت بن جاتا ہے۔ ایسے مقام پر محقق کو اصل بیان کے ممکن مقصد کا لحاظ رکھنا چاہیے، لیکن اس لحاظ کے ساتھ بنیادی متنی حقیقت بھی واضح کرنی چاہیے۔ اس مضمون میں ناس کو آخری سورت سمجھتے ہوئے موضوعی تقسیم بیان کی گئی ہے۔[20]

اخلاص میں توحید کا جامع بیان موجود ہونے کے باوجود فلق اور ناس کی موجودگی تفسیر کے لیے اضافی سوال پیدا کرتی ہے۔ اگر محقق آخری حصے کا مرکزی عنوان معاد قرار دیتا ہے تو اسے صرف اسی عنوان کے بار بار ذکر پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ وہ دیکھے کہ اس حصے میں توحید، رسالت، اخلاق اور استعاذہ کے مضامین اس عمومی عنوان سے کس طرح تعلق رکھتے ہیں۔ ہر نسبت کو ایک درجے کی صراحت حاصل نہیں ہوگی۔ کوئی تعلق براہ راست ہوگا، کوئی اخلاقی یا اعتقادی واسطے سے سمجھا جائے گا، اور کوئی مزید تحقیق چاہے گا۔ اس تفاوت کو ماننا جامع نظم کے امکان کی نفی نہیں، اس کی توضیح کی ذمہ داری کا اعتراف ہے۔

اسی معیار کو دوسرے مفسرین کی گروہ بندی پر بھی نافذ کرنا چاہیے۔ گروہ کا نام اس کے اندر تمام سورتوں کے ہر لفظ کا خلاصہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک بڑی معنوی سمت کی نشان دہی کرتا ہے جس کے اندر کئی ذیلی سلسلے ہو سکتے ہیں۔ تقابل میں پہلے عنوان کی تعریف واضح کی جائے، پھر اس کے تحت رکھی گئی سورتوں کی فہرست دیکھی جائے، اور آخر میں ہر سورت کے تعلق کی نوعیت لکھی جائے۔ اس عمل سے ایک ہی عمومی نام کے تحت مختلف مفسرین کی الگ تقسیمیں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ محض عنوان کی مماثلت سے منہج کی مکمل یکسانیت یا عنوان کے اختلاف سے مکمل تعارض ثابت نہیں ہوتا۔

یہ مثال اس بات کی یاد دہانی ہے کہ قرآنی نظم پر گفتگو میں چھوٹی متنی حقیقت اور بڑا تفسیری تصور دونوں اہم ہیں۔ ترتیب کی معمولی غلطی بڑے استدلال کو الجھا سکتی ہے، جبکہ درست ترتیب کے باوجود موضوعاتی تعلق کی دلیل الگ درکار ہوتی ہے۔ اس لیے تحقیقی تحریر میں سورہ نمبر، آیت نمبر، عنوان اور منقول دعوے کی حیثیت کی جانچ لازمی ہے۔ یہ احتیاط قاری کو واضح کرتی ہے کہ کون سی بات مصحف سے براہ راست معلوم ہے اور کون سی بات مفسر یا محقق کی توضیح ہے۔

۱۳۔ مشترک مثال سے اصول کی توضیح کا عملی طریقہ

منتخب مفسرین کے اصول ربط و نظم کو قابل فہم بنانے کے لیے ایک ہی قرآنی مثال کو مختلف سوالوں کے تحت پڑھنا مفید ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر انعام میں کتاب کی پیروی کی تاکید اور اعراف کے آغاز میں نازل شدہ ہدایت کے اتباع کا خطاب لیا جائے۔ پہلا سوال لفظی مناسبت کا ہوگا: کون سے الفاظ اور اعمال دونوں مقامات میں مشترک ہیں؟ دوسرا سوال سیاق کا ہوگا: ہر مقام اپنے قریب کی آیات میں کیا کام انجام دیتا ہے؟ تیسرا سوال سورتوں کے اتصال کا ہوگا: کیا ان مضامین کی موجودگی اگلی سورت میں استدلال کی نئی پیش رفت دکھاتی ہے؟ چوتھا سوال جامع نظم کا ہوگا: کیا اس مقامی مناسبت سے پوری سورت کے مرکزی مضمون کی تعیین میں مدد ملتی ہے؟ ان سوالوں کو الگ رکھنا نتیجے کی قوت سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔[21]

لفظی مناسبت کے درجے پر کتاب، نزول، اتباع اور تنبیہ جیسے عناصر کی شناخت نسبتاً واضح ہو سکتی ہے۔ سیاق کے درجے پر مخاطب، خطاب کی غرض اور سابقہ استدلال کو دیکھنا ہوگا۔ سورتوں کے اتصال میں پہلے حصے کے نتیجے اور دوسرے حصے کی ابتدا کے تعلق کی توضیح درکار ہوگی۔ جامع

---

[20] **القرآن الکریم**، سورۃ الاخلاص، ۱۱۲؛ سورۃ الفلق، ۱۱۳؛ سورۃ الناس، ۱۱۴۔

[21] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۵؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۳۳۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نظم کے درجے پر اس سے زیادہ وسیع مواد ضروری ہے، کیونکہ پورے متن کے قصص، احکام اور مختلف خطاب اس کے اندر شامل ہوتے ہیں۔ یوں ایک ہی مثال تحقیق کے مختلف درجوں میں الگ حیثیت اختیار کرتی ہے۔ ابتدائی درجے کی مضبوط شہادت آخری درجے کا فیصلہ خود بخود نہیں کرتی، لیکن آخری درجے کی تلاش میں ایک معتبر نقطہ آغاز ضرور فراہم کرتی ہے۔

اس عملی ترتیب کو فراہی اور اصلاحی کے بارے میں دستیاب ثانوی بیانات پر نافذ کرتے وقت ایک اضافی احتیاط ضروری ہے۔ ان کے منہج کی مکمل توضیح کے لیے ان کی اصل تصانیف اور متعلقہ مثالیں درکار ہیں۔ موجودہ مضمون میں ان کے بعض اصول صرف اصل مقالے کے تقابلی بیان کے واسطے سے سامنے آئے ہیں۔ اس بنا پر یہاں مذکورہ مثال کو ان مفسرین کے کسی غیر مطالعہ شدہ مقام کی یقینی تعبیر قرار نہیں دیا گیا۔ مثال تحقیق کا مشترک سوالنامہ بناتی ہے، ہر مفسر کا جواب فرض نہیں کرتی۔ اس فرق کے بغیر ایک اچھا تدریسی نمونہ غلط نسبت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

طالب علم اس طریقے سے اپنا مختصر تقابلی اندراج تیار کر سکتا ہے۔ وہ پہلے متعلقہ آیات اور ان کا محل لکھے، پھر مفسر کا صریح بیان نقل کرنے کے بجائے اس کا مختصر اور درست خلاصہ دے، اس کے بعد استدلال کے واسطے کی نشان دہی کرے۔ آخر میں یہ لکھے کہ نتیجہ متنی صراحت، غالب قرینہ یا توضیحی امکان میں سے کس درجے پر ہے۔ اگر اصل متن دستیاب نہ ہو تو ثانوی ماخذ کی حیثیت بھی درج کرے۔ اس ترتیب سے مختلف تفسیروں کی معلومات ایک ہی معیار پر قابل مقابلہ ہو جاتی ہیں اور محض شخصی تاثر پر فیصلہ کرنے کی ضرورت کم ہوتی ہے۔

اس عمل میں قاری کی اپنی ترجیح بھی جانچ کے دائرے میں آتی ہے۔ اگر وہ پہلے سے کسی خاص نظم کو قبول کرتا ہے تو اسے ایسی مثالوں کی تلاش بھی کرنی چاہیے جہاں اس نظم کا اطلاق فوری طور پر واضح نہیں ہوتا۔ وہاں متبادل توضیح کا جائزہ، مفسر کی دلیل کی دوبارہ قرأت اور نتیجے کے درجے کی تعیین ضروری ہوگی۔ یہ محنت مطالعے کو محض موافق شواہد جمع کرنے سے زیادہ علمی بناتی ہے۔ منتخب مفسرین کے تقابل کا اصل فائدہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب مشترک سوال، یکساں شہادت اور واضح حدود کے ساتھ ہر منہج کو اس کی اپنی عبارت میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

۱۴۔ اختلاف سے بطلان یا قطعیت کا نتیجہ

مفسرین کے اختلاف سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ کسی مخصوص تقسیم میں اجتہاد کا دخل ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ مختلف نقشے موجود ہونے کی وجہ سے ایک خاص نقشہ ضرور غلط ہے، منطقی طور پر ناکافی ہے۔ درست فیصلہ ہر تجویز کے شواہد سے ہوگا۔ اسی طرح کسی منہج کی جامعیت اس کے ہر نتیجے کی قطعیت ثابت نہیں کرتی۔[22]

فراہم کردہ مقالے کے بعض حصوں میں ایک مکتب کے نظم کی قطعیت کے خلاف فیصلہ بیان ہوا ہے۔ اس فیصلے کو مضبوط بنانے کے لیے پہلے اصل دعوے کی درست عبارت، اس کا سیاق اور متعلقہ قرائن دکھانا ضروری ہے۔ کسی پورے مکتب کو ایک عمومی دعوے سے منسوب کر کے رد کرنا محتاط تحقیق نہیں۔

اس مطالعے کا نتیجہ زیادہ محدود ہے: دستیاب مواد متعدد اجتہادی توضیحات دکھاتا ہے، اس لیے ان کا تقابل ضروری ہے۔ بعض ربط قوی، بعض محتمل اور بعض مزید دلیل کے محتاج ہو سکتے ہیں۔ قطعیت کا فیصلہ دلیل کی نوعیت سے ہوگا۔ اس اصول کے ساتھ تنقید علمی رہتی ہے اور اختلاف کو تحقیق کا موقع سمجھا جاتا ہے۔

---

[22] فراہی، **تفسیر نظام القرآن**؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قطعیت کے مسئلے میں اختلاف کی نوعیت بھی پہچانی جائے۔ دو توضیحات ایک دوسرے کی تکمیل کر سکتی ہیں، مختلف سطحوں کا بیان ہو سکتی ہیں یا واقعی متعارض ہو سکتی ہیں۔ پہلی دو صورتوں میں ایک کو قبول کرنا دوسرے کے رد کا تقاضا نہیں کرتا۔ تیسری صورت میں دلیل سے ترجیح ضروری ہو گی۔ اس لیے صرف مختلف الفاظ میں بیان کردہ مرکزی مضامین کو فوراً متضاد نظریات کہنا درست نہیں۔ مقالے کے تقابلی مواد کو اسی تفریق کے ساتھ دوبارہ ترتیب دینا مفید ہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ اختلاف کہاں حقیقی ہے اور کہاں تعبیر یا سطح کا فرق ہے۔ یہی پہچان علمی فیصلے کو زیادہ مضبوط بناتی ہے۔

اختلاف کی تحقیق میں کم از کم تین صورتیں الگ پہچانی جائیں: تعبیر کا فرق، تکمیلی زاویہ اور حقیقی تعارض۔ تعبیر کے فرق میں مختلف الفاظ ایک ہی مقصد بیان کر سکتے ہیں۔ تکمیلی زاویے میں ایک مفسر دلیل اور دوسرا اس کے اخلاقی نتیجے کو نمایاں کرتا ہے۔ حقیقی تعارض میں ایک توجیہ دوسری کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ان صورتوں کو الگ کیے بغیر مختلف نظریات کا ذکر صرف ایک عمومی اختلاف بن جاتا ہے۔ تقابلی تحقیق کو ہر مثال میں یہ طے کرنا چاہیے کہ زیر بحث فرق کس نوعیت کا ہے۔

اگر کسی منہج کے بارے میں قطعیت کا دعویٰ منسوب ہو تو اس دعوے کی عبارت اور دائرہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے قطعیت اصل قرآنی صداقت کے لیے ہو، یا مرکزی مقصد کی ایک خاص تحقیق کے لیے، یا عام تفسیری طریقے کی اہمیت کے لیے۔ ان مختلف صورتوں کو ایک ہی دعوے میں جمع کر کے رد کرنا علمی طور پر ناکافی ہو گا۔ فراہم کردہ مقالے کے بعض فیصلوں کو اسی وجہ سے مزید اصل ماخذ کی مراجعت درکار ہے۔ موجودہ مضمون ان فیصلوں کو نقل کرنے کے بجائے ان کی جانچ کے اصول واضح کرتا ہے۔

اختلاف سے ایک مثبت علمی فائدہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مختلف توجیہات ساتھ آئیں تو متن کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جو ایک ہی بیان میں کم نمایاں تھے۔ لیکن اس فائدے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ربط درست ہے۔ ترجیح دلیل سے ہو گی اور کمزور توجیہ کی حد واضح کی جائے گی۔ اسی طرح کسی مفسر کی بعض مثالوں کی کمزوری سے اس کی ہر خدمت ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ متوازن اصول نظم کے مطالعے کو علمی احتیاط اور فکری وسعت کے ساتھ آگے بڑھاتا ہے اور شخصی یا مکتبی فیصلوں کی غیر ضروری شدت کم کرتا ہے۔

۱۵۔ تقابلی نتائج کی پیش کش اور نسبت کی ذمہ داری

تقابلی مطالعے کا آخری اہم مرحلہ نتائج کو ایسی زبان میں پیش کرنا ہے جو قاری کو دعوے کی حیثیت بتائے۔ کسی اصول کے متعلق یہ کہنا کہ مفسر نے اسے صراحت سے بیان کیا ہے، اس سے مختلف ہے کہ اس کی مثالوں سے یہ رجحان سمجھ میں آتا ہے۔ پہلی صورت میں اصل عبارت کا حوالہ ضروری ہو گا، دوسری صورت میں متعدد مثالوں کا تجزیہ درکار ہو گا۔ اس کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہو سکتی ہے جس میں محقق خود ایک منہجی امکان تجویز کرتا ہے۔ اس امکان کو مفسر کا قول بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے۔ ان تین درجوں کی الگ شناخت تقابلی تحریر میں غلط نسبت سے بچاتی ہے۔[23]

موجودہ مطالعے میں یہ ذمہ داری اس لیے زیادہ اہم ہے کہ منتخب مفسرین کے متعلق تمام مواد یکساں نوعیت کا نہیں۔ نیلوی اور سندیلوی کے بارے میں اصل مقالہ براہ راست موضوع بناتا ہے، جبکہ دوسرے مفسرین بعض اصولوں یا تقابلی بیانات کے ضمن میں سامنے آتے ہیں۔ اس سے دستیاب معلومات کی مقدار اور تفصیل میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو مفصل معلومات رکھنے والے مفسر کے

---

[23] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۳، ۵؛ سندیلوی، **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**، ص ۱، ۳۲۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

متعلق زیادہ خصوصیات شمار ہوں گی، اور مختصر معلومات رکھنے والے کے متعلق چند عمومی جملے رہ جائیں گے۔ اس تفاوت کو علمی برتری یا کمی سمجھنا درست نہیں، کیونکہ وہ ماخذ کی ساخت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔

نتائج کی زبان میں اسی لیے حدود کا بیان بنیادی جگہ رکھتا ہے۔ جہاں مخصوص مثالیں موجود ہیں وہاں کہا جا سکتا ہے کہ ان مثالوں میں ایک خاص طریقہ نظر آتا ہے۔ جہاں مقالے کا عمومی خلاصہ موجود ہے وہاں یہ بتایا جائے کہ خلاصے کے مطابق مفسر کا رجحان ایسا ہے۔ جہاں مکمل اصل متن نہیں دیکھا گیا وہاں پورے منہج کے بارے میں قطعی تعمیم سے احتراز ہونا چاہیے۔ یہ زبان محض احتیاط کے رسمی الفاظ نہیں، بلکہ استدلال اور ماخذ کے باہمی تعلق کی توضیح ہے۔ قاری اسی سے جانتا ہے کہ کون سا نتیجہ مزید جانچ کے بعد بدل سکتا ہے۔

تقابل میں اشتراک اور اختلاف کو بھی الگ درجات میں پیش کرنا چاہیے۔ قرآن کو مربوط ہدایت ماننا ایک بنیادی اشتراک ہے، مگر اس اشتراک سے مرکزی مضمون کی یکساں تعریف لازم نہیں آتی۔ افتتاح اور اختتام پر توجہ ایک مشترک طریقہ ہو سکتا ہے، لیکن دونوں مفسرین ان مقامات کو مختلف معنوی وزن دے سکتے ہیں۔ ایک ہی قرآنی مثال میں مختلف روابط کی شناخت اختلاف ہو سکتی ہے، مگر ضروری نہیں کہ وہ باہم ناقابل جمع ہوں۔ تعارض ثابت کرنے کے لیے یہ دکھانا ہو گا کہ دونوں تعبیرات ایک ہی سوال کے بارے میں ایسے فیصلے دیتی ہیں جو ایک ساتھ درست نہیں ہو سکتے۔

اس فرق سے نتیجے کی علمی قوت بھی واضح ہوتی ہے۔ دو قابل جمع مناسبتوں کا وجود نظم کے تصور کی نفی نہیں کرتا۔ دو ناقابل جمع مرکزی تعبیری دعوے تحقیق کا سوال ضرور پیدا کرتے ہیں، لیکن اس سوال کا جواب صرف اختلاف کا حوالہ دینا نہیں ہو گا۔ متعلقہ الفاظ، سیاق اور پوری سورت کی ساخت کا جائزہ لے کر دیکھا جائے گا کہ کون سی تعبیر زیادہ مناسب ہے، یا آیا دونوں کسی قدر تصحیح چاہتی ہیں۔ اس طرح اختلاف کو جانچ کی دعوت سمجھا جاتا ہے اور کسی پورے منہج کے بطلان کا فوری ثبوت نہیں بنایا جاتا۔

نتائج کی پیش کش میں اعتراض کا معیار بھی یکساں ہونا چاہیے۔ اگر ایک مفسر کے ہاں مرکزی عنوان وسیع ہے تو دوسرے کے وسیع عنوان کو بھی اسی پیمانے سے پرکھا جائے۔ اگر ایک کے ہاں کسی جزوی مناسبت کو کافی سمجھا جاتا ہے تو دوسرے کے مماثل قرینے کو بغیر وجہ رد نہ کیا جائے۔ اسی طرح روایت، لغت یا سیاق کی مدد کو صرف موافق نتیجے کے لیے قبول کرنا علمی انصاف نہیں۔ قاری کے لیے واضح ہونا چاہیے کہ ہر دعوے کے لیے کس نوعیت کی شہادت طلب کی جا رہی ہے اور وہ طلب تمام مفسرین کے لیے یکساں کیوں ہے۔

اس مضمون سے ایک عملی تحقیقی ترتیب حاصل ہوتی ہے۔ پہلے بنیادی اصطلاحات متعین کی جائیں؛ پھر آیات، سورتوں اور بڑے موضوعی مجموعوں کی الگ اکائیاں بنائی جائیں؛ اس کے بعد ایک ہی اکائی کے متعلق مختلف مفسرین کی توضیحات جمع کی جائیں۔ ہر توضیح کے ساتھ اصل یا ثانوی ماخذ کی حیثیت، استدلال کا واسطہ اور نتیجے کا درجہ درج کیا جائے۔ آخر میں مشترک رجحانات اور حقیقی اختلافات الگ بیان کیے جائیں۔ اس ترتیب میں ذاتی تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اسے دلیل اور مثال کے ذریعے قابل جانچ بنانا ہو گا۔

اس عمل کا تدریسی فائدہ بھی واضح ہے۔ طالب علم کو صرف مختلف مفسرین کے نام اور اصطلاحات یاد کرانے کے بجائے ایک ہی سوال پر مختلف استدلال دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی نتیجے کی قبولیت محض معروف شخصیت یا اصطلاح کی بنا پر نہیں ہوتی، بلکہ متن کے ساتھ اس کے تعلق کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس سے مفسرین کا احترام اور علمی سوال دونوں ساتھ رہ سکتے ہیں۔ احترام اصل عبارت کو درست سمجھنے اور نسبت میں امانت سے ظاہر ہوتا ہے، جبکہ سوال دلیل کی نوعیت اور حد متعین کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مزید تحقیق میں اس مضمون کے ثانوی مواد کو اصل تفاسیر کے متعلقہ مقامات کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری ہو گا۔ یہ کام خصوصاً وہاں اہم ہے جہاں عمومی بیان اور مخصوص مثال مختلف تاثر دیتے ہیں۔ اصل عبارت کی بازیافت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فرق اصطلاح، خلاصے یا واقعی منہجی تنوع کا ہے۔ اس مرحلے کے مکمل ہونے تک موجودہ نتائج کو منتخب مواد کے منضبط مطالعے کے طور پر پڑھنا چاہیے۔ ان کی افادیت ایک واضح تقابلی معیار، چند قابل جانچ مثالیں اور آئندہ تحقیق کے متعین سوال فراہم کرنے میں ہے۔

۱۶۔ متوازن تقابلی طریقہ اور معاصر تدریس

مربوط فہم کے لیے پہلا قدم اصل متن اور اس کے قریب کے سیاق کا مطالعہ ہے۔ دوسرا قدم زیر بحث سوال کی شناخت، تیسرا ممکن روابط کی جانچ اور آخری قدم نتیجے کا درجہ بیان کرنا ہے۔ اس ترتیب سے ربط پہلے سے طے شدہ تصور کی تائید کے بجائے متن کی توضیح بن جاتا ہے۔[24]

تدریس میں طلبہ کو ایک ہی مقام کے مختلف تفسیری بیانات دیے جاسکتے ہیں۔ ہر طالب علم مشترک مضمون، اصل قرینہ، تشریحی اضافہ اور نتیجہ شناخت کرے۔ اس سرگرمی کا مقصد ہر تعبیر کو مساوی کہنا نہیں، بلکہ دلیل سے ترجیح کی تربیت ہے۔

نیلوی کا مسلسل ترجمہ، سندیلوی کی متعدد مناسبتیں اور مرکزی مضمون کی دوسری توضیحات اس مشق کے لیے مختلف نمونے فراہم کرتی ہیں۔ ان سے استفادہ اس وقت زیادہ مفید ہو گا جب اصل ماخذ کی دستیابی اور نقل کی صحت بھی جانچی جائے۔ فراہم کردہ مقالہ تقابلی سوالات کی بنیاد دیتا ہے، لیکن پوری علمی روایت پر حتمی حکم کے لیے کافی نہیں۔ اس کی بنیاد پر آئندہ متنی تحقیق، مخطوطے کی تدوین اور تدریسی مواد کی تیاری آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔

معاصر استعمال میں مختصر نقشے اور موضوعاتی خلاصے فائدہ دے سکتے ہیں، مگر ان کے ساتھ اصل آیات تک واپسی ضروری ہے۔ نقشہ فہم کا معاون ہے، متن کا بدل نہیں۔ اگر طلبہ صرف چارٹ یاد کریں تو وہ دلیل اور استثنا سے ناواقف رہ سکتے ہیں۔ اس لیے ہر مرکزی عنوان کے ساتھ چند اصل قرائن پڑھائے جائیں اور متبادل توجیہ کا مختصر تعارف دیا جائے۔ اس سے قرآن کے مربوط مطالعے کے ساتھ تحقیقی احتیاط بھی سکھائی جاسکتی ہے۔ یہی طریقہ مقالات کی تیاری میں بھی مفید ہے، جہاں جامع عنوان، واضح سوال، درست نقل اور محتاط نتیجہ ایک دوسرے کے ساتھ ہونے چاہییں۔

معاصر تدریس میں نظم کا استعمال صرف سورتوں کے مرکزی عنوان یاد کرانے تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ طالب علم اصل آیات کے ساتھ یہ بھی دیکھے کہ عنوان کس قرینے سے قائم ہوا اور ذیلی مضامین کا اس سے کیا تعلق ہے۔ اس طرح خلاصہ اور دلیل ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ اگر صرف نقشہ یاد ہو تو مفہوم کی باریکیاں، استثنا اور اختلاف نظر سے اوجھل ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مربوط درس میں متن، ساخت، دلیل اور محدود اطلاق کی ترتیب اختیار کرنا زیادہ مفید ہے۔

تقابلی سرگرمی کے لیے ایک ہی مقام کے دو مختصر بیانات منتخب کیے جاسکتے ہیں۔ طلبہ پہلے مشترک سوال، پھر مختلف قرائن اور آخر میں نتیجے کی حد شناخت کریں۔ اس مشق کا مقصد ہر رائے کو یکساں صحیح کہنا نہیں، بلکہ دلیل کی بنیاد پر ترجیح کی تربیت ہے۔ نیلوی کا مسلسل ترجمہ اور سندیلوی کے متعدد روابط اس مقصد کے لیے مختلف نوع کے نمونے دیتے ہیں۔ اصل ماخذ تک رسائی ہو تو سرگرمی زیادہ معتبر ہو گی، ورنہ نقل کے واسطے کو واضح رکھنا ضروری ہو گا۔

---

[24] نیلوی، **تبیین القرآن**، ص ۵، ۴۲، ۲۲؛ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ج ۱، مقدمہ، ص ۲۴۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تحقیقی استعمال میں یہی ترتیب مقالے کے مختلف حصوں کی یکجائی پیدا کرتی ہے۔ عنوان سوال کے مطابق ہو، مقدمہ دائرہ متعین کرے، مباحث شواہد سامنے لائیں اور نتیجہ انہی شواہد کی حد میں رہے۔ نظم قرآن پر لکھتے وقت یہ داخلی ربط خود مقالے میں بھی نظر آنا چاہیے۔ فراہم کردہ ڈاکٹری مقالہ مختلف سوالات اور مثالوں کا مواد دیتا ہے؛ موجودہ مطالعہ اسے مشترک معیار پر ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے تحقیق، تدریس اور علمی گفتگو میں فائدہ ممکن ہے، بشرطیکہ عمومی دعوے متنی شہادت سے اور معاصر مثالیں اصل مفہوم سے متعلق رکھی جائیں۔

خلاصہ بحث

منتخب مفسرین کے اصول ربط و نظم کا تقابلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کی وحدت، سیاق کی اہمیت اور مرکزی مضمون کی تلاش مشترکات ہیں، مگر ان کی صورتیں مختلف ہیں۔ نیلوی ترجمے کے تسلسل اور دعوی سورت کو نمایاں کرتے ہیں، سندیلوی منتخب مقامات کی مناسبتوں کی تفصیل دیتے ہیں، جبکہ فراہم کردہ مقالے میں فراہی و اصلاحی کے ذکر سے سورت کے مرکزی مقصد اور بڑے مجموعوں کی بحث سامنے آتی ہے۔ ان فرقوں کا تقابل یکساں سوالات اور متنی نمونوں سے ہونا چاہیے۔ تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کا نظم اور کسی مفسر کی انسانی توضیح ایک درجے کی چیزیں نہیں۔ اختلاف اجتہادی پہلو کو واضح کرتا ہے، مگر کسی خاص توجیہ کا بطلان اس کے شواہد سے ثابت ہوگا۔ اسی طرح جامعیت یا مقبولیت سے قطعیت لازم نہیں آتی۔ ناموں کی مناسبت، اجمال و تفصیل، افتتاح و اختتام اور بڑے موضوعی حصے مختلف نوعیت کے قرائن ہیں؛ ان کی قوت الگ جانچی جائے۔ فراہم کردہ مقالے کی داخلی ناہمواریوں اور بنیادی متون کی محدود دستیابی کے باعث نتائج محتاط رکھے گئے ہیں۔ مربوط تفسیر سے بہترین استفادہ متن، معتبر روایت، عربی دلالت اور تقابلی تدبر کو ساتھ رکھنے میں ہے۔ یہی طریقہ علمی تحقیق اور معاصر تدریس کو زیادہ معتبر بناتا ہے۔

مصادر و مراجع

القرآن الکریم۔

اصلاحی، امین احسن۔ **تدبر قرآن**۔ دہلی: تاج کمپنی، ۱۹۷۹ء۔

سندیلوی، علی احمد۔ **الدرر القرآن فی ربط السور الفرقان**۔ مخطوطہ، مملوکہ شہزاد علی احمد سندیلوی، بلا تاریخ۔

فراہی، حمید الدین۔ **تفسیر نظام القرآن**۔ ترجمہ امین احسن اصلاحی۔ اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، ۱۹۹۰ء۔

نیلوی، محمد حسین۔ **تبیین القرآن** (کامل، چہار حصص)۔ پاکستان: اشاعۃ التوحید والسنۃ، بلا تاریخ۔